بسم اللہ الرحمن الرحیم

# فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات

از افادات

متکلم اسلام سفیر احناف حضرت مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

امیر: عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ

سرپرست: مرکز اہل السنۃ والجماعۃ 87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

چیف ایگزیکٹو: احناف میڈیا سروسز

رابطہ: مکتبہ اہل السنت والجماعت واقع مرکز اہل السنۃ والجماعۃ، 87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

فون نمبرز: 048-3881487, 0321-6353540, 0335-7500510

ای میل: markazhanfi@gmail.com

# فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات

## اعتراض نمبر1:

اگر کوئی مسلمانوں کی رعیت میں رہتا ہو اور کسی مسلمان عورت سے زنا کرے یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے تو اس کو قتل نہیں کرنا چاہیے:

أو زَنٰی بِمُسْلِمَۃٍ أو سَبَّ النبی صلی اللّٰہُ علیہ وسلم لم یُنْقَضْ عَھْدُہُ

(فتاویٰ عالمگیری: ج1 ص276 کتاب السیر-الباب الثامن فی الجزیۃ)

## جواب:

غیر مقلدین اس مسئلہ کو خلط کر دیتے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ذمی کا معاہدہ اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک وہ خلاف عہد کوئی کام نہ کرے، البتہ اگر منکرات شرعیہ میں سے کسی کا ارتکاب کرے تو اس پر حد جاری کی جائے گی اگرچہ عہد برقرار رہے گا۔

اس طرح یہ دو مسئلے ہیں۔

پہلا مسئلہ: منکرات شرعیہ کے ارتکاب سے حد کا جاری ہونا۔

رد المحتار میں ہے:

(قَوْلُہُ وَلَا بِالزِّنَا بِمُسْلِمَۃٍ) بَلْ یُقَامُ عَلَیْہِ مُوجِبُہُ، وَھُوَ الْحَدُّ(ج6 ص331-مطلب فی حکم سب الذمی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

الدر المختار میں ہے:

( وَیُؤَدَّبُ الذِّمِّیُّ وَیُعَاقَبُ عَلَی سَبِّہِ دِینَ الْإِسْلَامِ أَوْ الْقُرْآنَ أَوْ النَّبِیَّ ) صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَاوِیٌّ وَغَیْرُہُ قَالَ الْعَیْنِیُّ : وَاخْتِیَارِی فِی السَّبِّ أَنْ یُقْتَلَ الخ وَتَبِعَہُ ابْنُ الْھُمَامِ .قُلْت : وَبِہِ أَفْتَی شَیْخُنَا الْخَیْرُ الرَّمْلِیُّ وَھُوَ قَوْلُ الشَّافِعِیِّ

(الدر المختار لعلاء الدین الحصکفی: ج6 ص332 الی 333)

ترجمہ: ذمی کو دین اسلام یا قرآن یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا کلمات کہنے کی وجہ سے تادیباً سزا دی جائے گی اور خوب پکڑ ہو گی۔ حاوی وغیرہ میں اسی طرح ہے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذمی کے گالی دینے کی صورت میں میری رائے یہی ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ ابن الہمام کی رائے بھی اسی طرح ہے۔ میں (علامہ الحصکفی) کہتا ہوں کہ یہی فتویٰ ہمارے شیخ خیر الرملی نے دیا ہے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے ہے۔

اور یہ بھی تب جب صرف اپنے حلقہ میں خفیہ طور پر سبّ کرے لیکن اگر علانیہ کرے تو سزا صرف اور صرف قتل ہے۔ چنانچہ رد المحتار میں ہے:

أَیْ إذَا لَمْ یُعْلِنْ ، فَلَوْ أَعْلَنَ بِشَتْمِہِ أَوْ اعْتَادَہُ قُتِلَ ، وَلَوْ امْرَأَۃً وَبِہِ یُفْتَی الْیَوْمَ (رد المحتار لابن عابدین: ج6 ص331)

ترجمہ: (تادیب و سزا اس وقت ہے) جب وہ علانیہ گالی نہ دے۔ اگر علانیہ گالی دے یا ایسا کرنا اس کی عادت ہو تو اسے قتل ہی کیا جائے گا چاہے وہ عورت ہی کیوں نہ ہو اور آج کے دور میں فتویٰ اسی پر ہے۔

دوسرا مسئلہ: عہد کا نہ ٹوٹنا

کہ ان امور کی وجہ سے عہد نہ ٹوٹے گا۔ ہاں اگر معاہدہ میں یہ شرط لگائی گئی ہو کہ ذمی یہ کام نہ کرے گا اس کے باوجود یہ کام کر ڈالے تو پھر معاہدہ بھی ٹوٹ جائے گا۔

ھَذَا إنْ لَمْ یُشْتَرَطْ انْتِقَاضُہُ بِہِ أَمَّا إذَا شُرِطَ انْتَقَضَ بِہِ کَمَا ھُوَ ظَاھِرٌ .(الدر المختار لعلاء الدین الحصکفی: ج6 ص331)

ترجمہ: یہ اس وقت ہے جب عقد میں ان چیزوں کی شرط نہ لگائی ہو اور اگر معاہدہ میں یہ شرط لگائی گئی ہو کہ ذمی یہ کام نہ کرے گا اس کے باوجود یہ کام کر ڈالے تو پھر معاہدہ بھی ٹوٹ جائے گا۔ جیسا کہ یہ بات بالکل ظاہر ہے۔

## اعتراض نمبر2:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں مدت رضاعت اڑھائی سال ہے۔ ہدایہ میں ہے:

ثم مدة الرضاع ثلثون شهراً عند ابی حنیفة رحمه الله. (الہدایہ: ج2ص369 کتاب الرضاع)

اور یہ قرآن کی اس آیت: ﴿حَوۡلَيۡنِ كَامِلَيۡنِ﴾ (البقرۃ:233) کے خلاف ہے۔

## جواب نمبر1:

صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی (م593ھ) نے دو قسم کی عورتوں کا ذکر کیا ہے:

1: خاوند والی　　2: مطلقہ

آیت ﴿حَوۡلَيۡنِ كَامِلَيۡنِ﴾ (البقرۃ:233) میں اس مطلقہ کا حکم ہے جو خاوند کی خواہش اور بچہ کی ضرورت کے تحت اجرت پر دودھ پلاتی ہو، اس میں خاوند، بیوی، بچہ تینوں کے حقوق کے خیال کیا گیا ہے اور مدت رضاعت دو سال مقرر کر دی گئی ہے، ایک تو اسی آیت "حَوۡلَيۡنِ كَامِلَيۡنِ" کی وجہ سے اور دوسرے حدیث: "لا رضاع بعد الحولین" (سنن سعید بن منصور: ص139 رقم الحدیث 987 عن ابن مسعود موقوفاً) کی وجہ۔

تینوں کی رعایت اس طرح ہے کہ بچہ دو سال تک ماں کے دودھ سے ہی صحیح پرورش پاتا ہے اور ماں چونکہ طلاق کی وجہ سے بچے کو دودھ پلانے کی شرعاً مکلف نہیں رہی اور باپ کے ذمہ اس کا نان ونفقہ بھی نہیں رہا۔ ماں کی اجرت مقرر کر کے اس کی معیشت اور بچہ کی پرورش کا انتظام ہو گیا اور اگر بچہ دو سال سے قبل بھی ماں کے دودھ کے بغیر پرورش پا سکتا ہو تو دو سال سے قبل دودھ چھڑانے کا باہمی مشاورت ورضامندی سے اختیار بھی دے دیا گیا اور بچہ کی جسمانی کمزوری یا کسی مرض کی وجہ سے ضرورت ہو تو دو سال کے بعد بھی دودھ پلانے کا اختیار دے دیا گیا۔ جیسا کہ آیت "فَإِنۡ أَرَادَا فِصَالاً" کے لفظ "فا" اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ تفسیر: "إن أرادا أن يفطماه قبل الحولين وبعده." (تفسیر الطبری: ج2ص604 تحت ھذہ الآیۃ) سے ظاہر ہے۔

آیت ﴿وَحَمۡلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهۡرًا﴾ (الاحقاف:15) میں خاوند والی عورت کا ذکر ہے کہ وہ اڑھائی سال تک دودھ پلا سکتی ہے۔

## جواب نمبر2:

مدت رضاعت تو دو سال ہے، البتہ مسئلہ نکاح میں احتیاط کی بنا پر اڑھائی سال کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ مدت رضاعت دو سال میں نص صریح نہیں بلکہ اسی آیت میں ہی دو سال سے زائد مدت کے اشارے ملتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ آیت "وَالۡوَالِدَاتُ يُرۡضِعۡنَ الآية" میں لفظ "فَإِنۡ أَرَادَا فِصَالاً" بتا رہا ہے کہ مدت رضاعت دو سال کے بعد بھی ہو سکتی ہے کیونکہ اگر دو سال کے بعد رضاعت کی اجازت نہ ہوتی تو دودھ چھڑانا ضروری ہوتا، باہمی مشاورت اور رضا کی شرط ہی نہ ہوتی۔

اسی طرح آیت "وَحَمۡلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهۡراً" میں لفظ "حَمۡلُهُ" میں دو احتمال ہیں:

نمبر1: ماں کے پیٹ والا حمل　　نمبر2: گود والا حمل

اگر ماں کے پیٹ والا حمل مراد ہو تو معنی ہو گا کہ کل مدتِ حمل اور رضاعت مل کر اڑھائی سال ہے، البتہ مدتِ حمل اور رضاعت کی تقسیم کا ذکر نہیں کہ حمل 9 ماہ ہو تو مدتِ رضاعت 21 ماہ، حمل 12 ماہ ہو تو مدتِ رضاعت 18 ماہ وغیرہ۔ اسی لیے اکثر حضرات کی رائے یہ ہے اقل مدت حمل 6 ماہ اور اکثر مدت رضاعت 24 ماہ ہے۔

اور اگر حمل سے مراد گود والا لیں تو مطلب ہو گا کہ ماں کے گود میں رکھنے اور دودھ چھڑانے کی مدت اڑھائی سال ہے، تو معنی یہ ہو گا کہ حمل اور رضاعت ہر دو کی مدت اڑھائی سال ہے اور حمل سے مراد گود میں رکھنا قرآن کریم میں دوسرے مقام پر بھی استعمال ہوا ہے، جیسے "فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ" (مریم:27) اب یہ آیت بھی مدت رضاعت کے دو سال ہونے میں نص صریح نہیں ہو گی۔

یہ مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور بظاہر یہ زیادہ قوی ہے کیونکہ اس آیت میں ماں کی تین مشکلات کا ذکر ہے۔[۱] پیٹ والا حمل [۲] جننا [۳] گود میں اٹھانا۔ کما فی قولہ تعالیٰ: ﴿حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾

اگر ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ﴾ میں بھی گود والا حمل لینے کی بجائے پیٹ والا حمل مراد لیا جائے تو بظاہر یہ تکرار ہو گا اور مشکلات دو بنیں گی نہ کہ تین۔ لہذا امام صاحب کا مسلک یہ ہے مدت رضاعت دو سال ہے حرمت نکاح بالرضاعۃ میں احتیاطاً اڑھائی سال کی مدت کا خیال رکھا جائے۔

یہ ہے فقاہتِ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ، اور یہی مصداق ہے اس حدیث کا: "مَنْ يُرِدْ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ"

(صحیح البخاری: ج1 ص16 باب من یرد اللہ بہ خیرا)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔

## جواب نمبر3:

امام صاحب کے دونوں قول ہیں دو سال اور اڑھائی سال، مگر فتویٰ دو سال پر ہے۔

[۱]: امام علاء الدین الحصکفی [م1083ھ] میں ہے:

(حَوْلَانِ وَنِصْفٌ عِنْدَهُ وَحَوْلَانِ) فَقَطْ (عِنْدَهُمَا وَهُوَ الْأَصَحُّ) فَتْحٌ وَبِهِ يُفْتَى كَمَا فِي تَصْحِيحِ الْقُدُورِيِّ

(الدر المختار مع رد المختار: ج4 ص387 باب الرضاع)

ترجمہ: مدت رضاعت امام صاحب کے نزدیک اڑھائی سال اور صاحبین کے نزدیک صرف دو سال ہے اور یہی دو سال والا قول زیادہ صحیح ہے، یہ بات فتح القدیر میں ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ علامہ قاسم بن قطلوبغا کی کتاب "تصحیح القدوری" میں ہے۔

[۲]: الشیخ عبد الغنی الغُنَیمی المیدانی الحنفی [م1298ھ] لکھتے ہیں:

(و قالا سنتان) لان ادنی مدة الحمل ستة اشهر فبقی للفصال حولان قال فی الفتح: وهو الاصح. و فی التصحیح عن العیون وبقولهما ناخذ للفتوی (اللباب فی شرح الکتاب: ج3 ص31 کتاب الرضاع)

ترجم: صاحبین فرماتے ہیں کہ مدت رضاعت صرف دو سال ہے کیونکہ حمل کی کم سے کم مدت دو سال ہے اور مدت رضاعت کے لیے باقی دو سال بچتے ہیں۔ فتح القدیر میں ہے کہ یہی دو سال والا قول زیادہ صحیح ہے۔ "تصحیح القدوری للعلامہ قطلوبغا" میں "عیون المسائل لابی اللیث السمرقندی" کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے۔

[۳]: مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں:

مدت رضاعت کی دو سال ہے علی الاصح المفتی بہ یعنی اسی پر فتویٰ ہے۔ (تذکرۃ الرشید: ج1 ص185)

تو غیر مفتیٰ بہ قول پر فتوی دینا جائز نہیں تو اس کو بنیاد بنا کر تنقید کرنا کیسے جائز ہو گا؟!

## اعتراض نمبر3:

فقہ حنفی میں خون اور پیشاب کے ساتھ سورۃ فاتحہ لکھنا جائز ہے۔

رد المختار میں ہے:

لَوْ رَعَفَ فَكَتَبَ الْفَاتِحَةَ بِالدَّمِ عَلَى جَبْهَتِهِ وَأَنْفِهِ جَازَ لِلِاسْتِشْفَاءِ، وَبِالْبَوْلِ أَيْضًا

(رد المحتار لابن عابدین: ج1 ص406 مطلب فی التداوی بالمحرم)

ترجمہ: اگر کسی کی نکسیر جاری ہوئی اور اس نے اس خون سے اپنی پیشانی اور ناک پر فاتحہ لکھ لی تو شفاء کے حصول کے لیے یہ جائز ہے، اسی طرح پیشاب کے ساتھ بھی ایسا کرنا جائز ہے۔

## جواب:

مذہب حنفیہ میں بغیر طہارت قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں۔

لا یجوز لِمُحْدِثٍ اداءُ الصلاۃِ لفقدِ شرطِ جوازِھا و ھو الوضوء۔۔۔۔ ولا مسُّ مُصْحَفٍ من غیرِ غلافٍ عندنا۔

(بدائع الصنائع: ج1 ص140 مطلب فی مس المصحف، الدر المختار: ج1 ص197 کتاب الطہارۃ)

ترجمہ: بغیر وضوء آدمی کے لیے نماز ادا کرنا جائز نہیں کیونکہ وضوء کی شرط نہیں پائی گئی اور بغیر غلاف کے قرآن کو چھونا جائز نہیں۔

جب حنفیہ اتنی احتیاط کرتے ہیں تو ان کے ہاں خون یا پیشاب سے -معاذ اللہ- قرآن لکھنا کیسے جائز ہو گا؟

**اصل عبارت:**

علامہ ابن عابدین شامی نے الدر المختار لعلاء الدین الحصکفی کی جس عبارت کی شرح کی ہے، وہ اصل عبارت یہ ہے:

أُخْتُلِفَ فِي التَّدَاوِي بِالْمُحَرَّمِ وَظَاهِرُ الْمَذْهَبِ الْمَنْعُ

(الدر المختار: ج1 ص405ص406 کتاب الطہارۃ)

ترجمہ: حرام چیزوں سے علاج کرنے میں اختلاف ہے، حنفیہ کا ظاہر مذہب (یعنی امام صاحب کا قول) یہ ہے کہ حرام اشیاء سے علاج کرنا منع ہے۔

اس کی شرح میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے "النہایۃ شرح الہدایۃ لحسام الدین السغناقی" کے حوالے سے لکھا ہے:

فَفِي النِّهَايَةِ عَنْ الذَّخِيرَةِ يَجُوزُ إنْ عَلِمَ فِيهِ شِفَاءً وَلَمْ يَعْلَمْ دَوَاءً آخَرَ.

(رد المحتار: ج1 ص405 مطلب فی التداوی بالمحرم)

ترجمہ: "نہایہ" میں "ذخیرہ" کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ (تداوی بالمحرم کی گنجائش اس وقت ہے کہ) اگر حرام میں شفاء کا علم (یعنی یقین) ہو اور اس کے علاوہ اسے کوئی دوا معلوم نہ ہو۔

**اصل مسئلہ:**

وَكَذَا اخْتَارَهُ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ فِي التَّجْنِيسِ فَقَالَ: لَوْ رَعَفَ فَكَتَبَ الْفَاتِحَةَ بِالدَّمِ عَلَى جَبْهَتِهِ وَأَنْفِهِ جَازَ لِلِاسْتِشْفَاءِ، وَبِالْبَوْلِ أَيْضًا إنْ عَلِمَ فِيهِ شِفَاءً لَا بَأْسَ بِهِ. لَكِنْ لَمْ يُنْقَلْ

اصل میں "إنْ عَلِمَ فِيهِ شِفَاءً" شرط اور "لَا بَأْسَ بِهِ" جزا ہے اور شرطِ علم جب منتفی ہے تو جزاء "لَا بَأْسَ بِهِ" خود بخود منتفی ہو گئی کیونکہ ضابطہ ہے کہ مقدم اور تالی (یعنی شرط و جزا) میں نسبت تساوی کی ہو تو سلبِ مقدم سلبِ تالی کو مستلزم ہوتا ہے، جیسے "إنْ كانت الشمسُ طالعةً فالنهارُ موجودٌ لكنَّ الشمسُ ليستْ بطالعةٍ" لہذا نتیجہ یہ ہو گا: "فالنهارُ ليس بموجودٍ"

**اعتراض:**

شرط "إنْ عَلِمَ فِيهِ شِفَاءً" ہے اور نفی اس کی نہیں، بلکہ نفی "يُنْقَلْ" کی ہے اور وہ شرط نہیں۔

**جواب:**

کتابت بالدم کا "موجبِ شفاء ہونا یا نہ ہونا" نہ عقلاً معلوم ہو سکتا ہے نہ طباً کیونکہ فنِ طب میں ادویات کی تاثیر سے بحث ہوتی ہے نہ کہ

عملیات کی تاثیر سے۔ اگر اس کا "موجبِ شفاء ہونا یا نہ ہونا" شرعاً ہو گا تو وہ منقول نہیں۔ جب منقول نہیں تو معلوم بھی نہیں۔ اور یہاں علم سے مراد علمِ شرعی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ فقہاء اس کا جائز ہونا نہیں بلکہ حرام ہونا ثابت کر رہے ہیں، اب بھی اگر کوئی ان پر اعتراض کرتا ہے تو یہ ایسا ہے جیسے کوئی "لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ" تو پڑھے مگر "وَأَنْتُمْ سُكَارَى" کو چھوڑ دے، یا "لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ" تو پڑھے مگر "إِنْ كَانَ" کو چھوڑ دے۔

**فائدہ:**

غیر مقلدین کو یہ اعتراض ویسے بھی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان کے ہاں بے وضو قرآن چھونا بھی جائز ہے۔ نواب میر نور الحسن خان لکھتے ہیں:

محدث را مس مصحف جائز باشد۔ (عرف الجادی از نواب میر نور الحسن خان: ص15)

ترجمہ: بے وضو آدمی کے لیے قرآن مجید کو چھونا جائز ہے۔

## اعتراض نمبر4:

امام صاحب زانیہ اور زانی کے لیے حد کے قائل نہیں اور زنا کا دروازہ کھول رہے ہیں۔ کیونکہ فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

ولو استاجر امراۃ لیزنی بھا فزنی بھا لا یحد فی قول ابی حنیفة

(فتاویٰ قاضی خان: ج4 ص407 کتاب الحدود)

ترجمہ: اور اگر کسی عورت کو زنا کرنے کے لیے اجرت پر رکھا، پھر اس سے زنا بھی کیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اس پر حد نہیں۔

**جواب:**

قرآن کریم میں ہے: ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾ (النساء:24)

ترجمہ: جن عورتوں سے (نکاح کر کے) تم نے لطف اٹھایا ہو ان کو ان کا وہ مہر ادا کرو جو مقرر کیا گیا ہو۔

اس میں چونکہ اجرت ہے اور اجرت سے حق مہر کا شبہ ہو گیا اور شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔ مشہور ضابطہ ہے:

اَلْحُدُودُ تَنْدَرِءُ بِالشُّبُهَاتِ. (الجوہرۃ النیرۃ: ج2 ص313 کتاب الدعویٰ، اللباب فی شرح الکتاب للمیدانی: ج1 ص365 کتاب الدعویٰ)

ترجمہ: شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔

اعتراض: اجرت سے حق مہر کا شبہ ہو گیا مگر نکاح کیسے ثابت ہو گا؟

جواب: امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں نکاح کے لیے گواہ شرط نہیں۔ علامہ محمد بن عبد الرحمن العثمانی الشافعی لکھتے ہیں:

ولا یصح النکاح الا بشھادۃ عند الثلاثة، و قال مالك یصح من غیر شھادۃ

(رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ: ص205 کتاب النکاح)

ترجمہ: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک گواہوں کے بغیر نکاح صحیح نہیں اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گواہوں کے بغیر نکاح صحیح ہے۔

شبہ سے حد کا ساقط ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ مشکوۃ شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح بلا ولی کو تین بار باطل قرار دیا۔ الفاظ حدیث یہ ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا انَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا. (مشکوۃ المصابیح: ج2 ص292 کتاب النکاح باب الولی فی النکاح واستیذان المراۃ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عورت نے بھی اپنے ولی کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔ اگر خاوند نے ہمبستری کر لی تو اس عورت کو مہر ملے گا کیونکہ اس شوہر نے اس عورت سے حلال طریقے سے نفع اٹھایا ہے۔

یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مہر بھی مقرر فرمایا اور حد بھی جاری نہیں کی۔

اسی طرح موطا امام مالک میں ہے:

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ خَوْلَةَ بِنْتَ حَكِيمٍ دَخَلَتْ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَتْ إِنَّ رَبِيعَةَ بْنَ أُمَيَّةَ اسْتَمْتَعَ بِامْرَأَةٍ فَحَمَلَتْ مِنْهُ فَخَرَجَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَزِعًا يَجُرُّ رِدَاءَهُ فَقَالَ هَذِهِ الْمُتْعَةُ وَلَوْ كُنْتُ تَقَدَّمْتُ فِيهَا لَرَجَمْتُ

(موطا مالک: ص 507 باب نکاح المتعۃ)

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ حضرت خولہ بنت حکیم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے عرض کیا کہ ربیعہ بن امیہ نے ایک عورت سے متعہ کیا ہے جس سے وہ حاملہ ہوگئی ہے۔ حضرت عمر اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے ربیعہ کے پاس گئے اور اسے فرمایا کہ اگر میں یہ متعہ کے حرام ہونے کا مسئلہ پہلے بیان کر چکا ہوتا تو تجھے سنگسار کر دیتا۔

اس واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ کرنے والے شخص پر حد جاری نہیں کی کہ اس کو علم نہیں تھا حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک متعہ حرام اور قابل سنگسار ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام شافعی رحمہ اللہ ہر وہ توجیہ جو کسی سنی مستند عالم نے کی ہو اور اس توجیہ کی وجہ سے وطی کو حلال کہا ہو تو اس وطی پر حد کے قائل نہیں اگرچہ وطی کرنے والا اس کو حرام جانتا ہو مثلاً ولی کے بغیر نکاح جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں جائز ہے اور گواہوں کے بغیر نکاح جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ کی نسبت معروف ہے۔

(المسوی شرح الموطا: ج2 ص144)

لہذا اس مسئلہ میں حد کا ساقط ہونا احناف کا محض دعویٰ نہیں بلکہ یہ موقف قرآن، سنت اور آثار صحابہ کے مذکورہ دلائل سے ثابت ہے۔

لہذا فقہ حنفی پر اعتراضات دراصل قرآن و سنت کے ان واضح دلائل سے بے خبری کی دلیل ہے۔

## جواب نمبر 2:

حد زنا کے نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس پر تعزیر بھی نہیں ہے۔ مثلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

من أتی بهيمة فلا حد عليه

(جامع الترمذی: باب فیمن یقع علی بہیمۃ)

ترجمہ: جو آدمی کسی جانور سے بدفعلی کرے اس پر حد نہیں۔

کیا غیر مقلدین اس سے یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ ایسے آدمی پر کوئی سزا نہیں؟! حالانکہ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اس پر کوئی سزا نہیں بلکہ اس شخص پر تعزیر ہے اور تعزیر کبھی حد سے بھی سخت ہوتی ہے۔

## جواب نمبر 3:

احناف کا راجح موقف اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ اس شخص کو حد زنا لگے گی۔ در مختار میں ہے:

وَالْحَقُّ وُجُوبُ الْحَدِّ كَالْمُسْتَأْجَرَةِ لِلْخِدْمَةِ.

(الدر المختار للحصکفی: ج6 ص46 کتاب الحدود- باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ)

ترجمہ: صحیح بات یہ ہے کہ اس آدمی پر حق واجب ہے جیسا کہ خدمت کے لیے اجرت پر رکھی گئی عورت کے ساتھ زنا کرنے پر حد ہے۔

## اعتراض نمبر5:

حنفیوں کے ہاں امامت کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ امام اس کو بنایا جائے جس کی بیوی خوبصورت ہو۔الدر المختار میں ہے:

قَوْلُهُ ثُمَّ الْأَحْسَنُ زَوْجَةً. (الدر المختار: ج2 ص352 باب الامامۃ)

تو کیا امام کی بیوی کو دیکھیں گے ؟

## جواب:

1: امام کا پاکدامن اور عفیف ہونا ہر کسی کے ہاں پسندیدہ امر ہے اور نکاح کا مقصد بھی پاکدامنی اور عفت ہے۔ حدیث میں ہے:

فَأَنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ. (صحیح مسلم: کتاب النکاح باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسہ الیہ)

ترجمہ: کیونکہ نکاح آنکھ کی بد نظری سے حفاظت اور بدکاری سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

اور بیوی کا خوبصورت ہونا بیوی کی طرف میلان کا سبب ہے اور بیوی کی طرف یہی میلان پاکدامنی کا سبب ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں:

لِأَنَّهُ غَالِبًا يَكُونُ أَحَبَّ لَهَا وَأَعَفَّ لِعَدَمِ تَعَلُّقِهِ بِغَيْرِهَا.

(رد المحتار)

ترجمہ: کیونکہ بیوی کے خوبصورت ہونے کی صورت میں شوہر اس سے زیادہ محبت کرے گا اور اس کے علاوہ دیگر عورتوں سے عدمِ تعلق کی وجہ سے زیادہ عفیف اور پاکیزہ ہو گا۔

2: امام کے لیے حدیث میں ہے:

إِنْ سَرَّكُمْ أَنْ تُقْبَلَ صَلَاتُكُمْ فَلْيَؤُمَّكُمْ خِيَارُكُمْ، فَإِنَّهُمْ وُفُودُكُمْ فِيمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ رَبِّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ

(الآحاد والمثانی لاحمد بن عمرو الشیبانی: ج1 ص250 من ذکر مرثد بن ابی مرثد)

ترجمہ: اگر یہ چاہو کہ تمہاری نمازیں قبول ہوں تو تم میں سے بہترین لوگ نماز پڑھائیں، کیونکہ یہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان نمائندے ہیں۔

"خیار الناس" کے بارے میں دوسری حدیث میں ہے:

خیارکم خیارکم لنسائھم

(جامع الترمذی: ج1 ص219 ابواب الرضاع، باب حق المراۃ علی زوجها، المعجم الکبیر للطبرانی: ج9 ص327 رقم الحدیث 18297، مشکوٰۃ المصابیح: باب عشرۃ النساء)

ترجمہ: تم میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔

اور یہ بات مجرب ہے کہ جس کی بیوی خوبصورت ہو وہ بیوی کے حق میں خیار یعنی بہترین ثابت ہوتا ہے کیونکہ حدیث مبارک میں ہے:

ما استفاد المؤمن بعد تقوى الله خيرا له من زوجة صالحة إن أمرها أطاعته وإن نظر إليها سرته وإن أقسم عليها أبرّته وإن غاب عنها نصحته في نفسها وماله

(مشکوٰۃ المصابیح: ص268 کتاب النکاح-الفصل الثالث)

ترجمہ: مومن اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بعد جو سب سے بہتر چیز اپنے لیے منتخب کرتا ہے وہ نیک بخت خوبصورت بیوی ہے، ایسی بیوی کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر شوہر اس کو کوئی حکم دیتا ہے تو وہ اس کی تعمیل کرتی ہے، جب وہ اس کی طرف دیکھتا ہے تو اپنے حسن اور پاکیزگی اور اپنی خوش سلیقگی و پاک سیرتی سے اس کا دل خوش کرتی ہے، جب وہ اس کو قسم دیتا ہے تو اس قسم کو پورا کرتی ہے، اور جب اس کا خاوند موجود نہیں ہوتا تو وہ اپنے نفس

کے بارے میں یہ خیر خواہی کرتی ہے کہ اس کو ضائع و خراب ہونے سے بچاتی ہے اور اس میں کوئی خیانت نہیں کرتی۔

اس حدیث میں لفظ "وإن نظر إليها سر ته" کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

وإن نظر إليها سر ته أي جعلته مسرورا بحسن صورتها وسيرتها ولطف معاشرته ومباشرته

(ج6ص249 کتاب النکاح-الفصل الثالث رقم الحدیث 3095)

ترجمہ: حدیث کے الفاظ "اگر خاوند بیوی کے طرف دیکھے تو بیوی اس کو خوش کر دے" کا مطلب یہ ہے کہ بیوی خاوند کو اپنی حسنِ صورت، حسنِ سیرت، اچھے برتاؤ اور اچھے تعلقات سے خوش کر دے۔

معلوم ہوا کہ بیوی کا حسن سیرت کے ساتھ ساتھ حسنِ صورت والی ہونا خاوند کے زیادہ میلان کا سبب ہے اور اس سے خاوند کا "خیار الناس" ہونا ثابت ہوتا ہے اور حدیث میں امام کے لیے "خیار" کا لفظ آیا ہے۔

3: یہ شرط نفسِ امامت کے لیے نہیں ہے بلکہ احقیت امامت کے لیے ہے اور احقیت امامت کے لیے حدیث میں بعض اوصاف کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ

(صحیح البخاری: باب من قال ليؤذن في السفر مؤذن واحد)

ترجمہ: جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان دے اور تم میں سے بڑا آدمی امامت کرائے۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ليؤمكم اقراكم لكتاب الله فان كانت القراءة واحدة فليؤمكم اعلمكم بالسنة فان كانت السنة واحدة فليؤمكم اقدمكم سنا

(معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم: ج2149)

ترجمہ: تمھیں نماز وہ آدمی پڑھائے جو قرآن مجید کا قاری ہو، اگر قراءت میں سب برابر ہوں تو وہ پڑھائے جو سنت کا زیادہ عالم ہو، اگر اس میں بھی برابر ہوں تو وہ پڑھائے جو عمر میں بڑا ہو۔

بقیہ اوصاف ان پر قیاس سے ثابت ہیں اور قیاس مستقل دلیل شرعی ہے۔

رہا یہ اشکال کہ اس کا کیسے پتہ چلے گا؟ تو اس بارے میں علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَهَذَا مِمَّا يُعْلَمُ بَيْنَ الْأَصْحَابِ أَوْ الْأَرْحَامِ أَوْ الْجِيرَانِ, إذْ لَيْسَ الْمُرَادُ أَنْ يَذْكُرَ كُلٌّ مِنْهُمْ أَوْصَافَ زَوْجَتِهِ حَتَّى يُعْلَمَ مَنْ هُوَ أَحْسَنُ زَوْجَةً

(رد المحتار)

ترجمہ: یہ ایسی بات ہے جو دوستوں، رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے معلوم ہو جاتی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان لوگوں میں سے ہر آدمی اپنی بیوی کے اوصاف ذکر کرتا پھرے تاکہ پتہ چلے کہ کس کی بیوی خوبصورت ہے؟!

یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ بضرورت نکاح بذریعہ خواتین پتا چلایا جاتا ہے کہ خاتون جس سے نکاح مقصود ہے، وہ کیسی ہے؟

## اعتراض 6:

فقہ حنفی میں محرمات ابدیہ سے نکاح کرنا جائز ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

و كذلك لو تزوج بذات رحم محرم نحو البنت والاخت والأم والعمة والخالة وجامعها لاحد عليه في قول ابي حنيفة رحمه

اللہ تعالیٰ وان قال علمت أنها علی حرام

(ج3ص468)

اسی طرح اگر کوئی محرمات ابدیہ سے نکاح کر لے مثلاً بیٹی، بہن، ماں، پھوپھی یا خالہ اور پھر ان سے جماع بھی کر لے تو امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق اس پر کوئی حد نہیں ہے چاہے وہ یہ جانتا بھی ہو کہ یہ کام مجھ پر حرام ہے۔

## جواب نمبر1:

شریعت نے زانی کے لیے جو حد مقرر کی ہے وہ رجم (سنگسار) یا جَلد (کوڑے) ہے۔ کسی بھی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ جو شخص محرمات ابدیہ (ہمیشہ کے لیے حرام) سے نکاح کر کے وطی کرے اس کو رجم کیا جائے یا کوڑے مارے جائیں۔ اس لیے امام اعظم ابو حنیفہ نے ایسے شخص کے لیے یہ حد (رجم یا جلد) نہیں فرمائی۔ امام اعظم ابو حنیفہ کے اس مسئلہ کو اگر طالب الرحمن حدیث کے خلاف سمجھتے ہیں تو ان پر لازم ہے کہ کوئی ایسی حدیث نقل کریں جس میں ایسے شخص کے لیے حد آئی ہو۔ البتہ احادیث میں قتل کا حکم آیا ہے جس سے امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک و مذہب ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ قتل کرنا یا مال ضبط کرنا زنا کی ان دونوں حدوں سے کوئی حد نہیں ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں ایسے شخص کو جو بھی سزا دی جائے کم ہے لہٰذا حاکم اس کو سخت سے سخت سزا دے فتح القدیر کے اندر تصریح ہے کہ

الا تریٰ ان اباحنیفۃ الزمہ عقوبۃ باشد ما یکون وانما لم ثبت عقوبۃ ھی الحد فعرف انہ زنا محض عندہ الا ان فیہ شبھۃ

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ امام ابو حنیفہ اس کے لیے سخت سے سخت سزا تجویز کرتے ہیں؟ (البتہ نکاح کے سبب) حد ثابت نہیں۔ پس وہ اس کو زنا ہی سمجھتے ہیں مگر نکاح کے سبب اس میں شبہ پیدا ہو گیا۔

اس لیے حد مقرر رجم یا جلد اس سے ساقط ہو گئی اس عبارت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس پر کوئی سزا ہی نہیں۔ بلکہ اسے سخت سزا دی جائے گی قتل کی صورت میں۔

## جواب نمبر2:

طحاوی ج2 ص73 میں ہے سوتیلی ماں سے نکاح کی وجہ سے مرتد ہو گیا، کیونکہ اس نے حرام کو حلال سمجھا، لہٰذا اس پر ارتداد کی سزا نافذ ہو گی اور یہ صرف عقدِ نکاح ہی سے نافذ ہو جائے گی، اس کے لیے مباشرت شرط نہیں اور اگر اس نے یہ نکاح حرام سمجھ کر کیا تو مباشرت و وطی کی صورت میں حد نافذ ہو گی، اسی طرح محرم سے بلا نکاح وطی کی تو بھی حد نافذ ہو گی یہی امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کا مذہب ہے۔

محترم! ذرا غور فرمایئے کہ مسئلہ کی تین صورتیں ہیں:

اول: محرمات میں سے کسی کے ساتھ نکاح کیا، اگر حلال اور جائز سمجھ کر کیا تو کافر و مرتد ہو گیا، لہٰذا اس پر ارتداد کی شرعی سزا نافذ ہو گی اور اگر نکاح حرام و ناجائز سمجھ کر کیا تو اس کے لیے شرعاً کوئی حد مقرر نہیں ہے، البتہ قاضی اپنی مرضی سے جو سزا تجویز کرلے وہ دی جائے گی اور یہ قتل بھی ہو سکتی ہے۔

دوم: نکاح کے بعد اگر اس نے وطی و مباشرت بھی کر لی تو تعزیراً اس کو قتل کیا جائے گا یا قاضی جو سزا دے۔

سوم: بغیر نکاح کے اگر کسی نے محرمات میں سے کسی کے ساتھ زنا کر لیا تو اس پر بھی زنا کی حد جاری ہو گی۔

## جواب نمبر3:

باقی رہا مسئلہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لیے قتل کی سزا کا حکم دیا ہے تو اس کے بارے میں قاضی شوکانی فرماتے ہیں کہ اس نے فعل حرام کو حلال سمجھا جو کفر کے لوازمات میں سے ہے، اس لیے اسے قتل کیا گیا۔ (نیل الاوطار ج7 ص122)

گویا یہ قتل کی سزا حد نہیں بلکہ ارتداد کی سزا تھی۔ امام حافظ ابن الہمام الحنفی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ یہ قتل کی سزا بطور سیاست و تعزیر تھی۔

فتح القدیر ص148

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اختلاف قتل کی سزا میں نہیں ہے، بلکہ اس میں ہے کہ یہ قتل کی سزا حد ہے یا تعزیر؟ در مختار ج3 ص179 میں ہے اسے تعزیراً قتل کیا جائے گا۔ عالمگیری ج2 ص148 میں ہے 'اسے عبرت ناک سزا دی جائے گی، طحاوی ج2 ص97 میں ہے یہ زنا سے بڑا گناہ ہے:

ولکن یجب فیہ التعزیر والعقوبۃ البلیغۃ

اس پر تعزیراً سخت ترین سزا واجب ہے۔ حافظ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کہا: ماں بیٹی وغیرہ سے نکاح جائز ہے وہ کافر، مرتد اور واجب القتل ہے۔

فتح القدیر ج5 ص42، طحاوی ج2 ص96

## جواب نمبر4:

آپ کے نامور بزرگ نواب نور الحسن خان رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ زنا کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔

عرف الجادی ص113

سردار اہل حدیث ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں کہ دادی کے ساتھ پوتے کا نکاح جائز ہے اس کی حرمت منصوص نہیں۔

اخبارِ اہل حدیث رمضان 1388ھ بحوالہ معین الفقہ ص95

محترم! ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی نے تو نہ اس نکاح کو جائز قرار دیا، نہ اس کی حرمت منصوصہ سے انکار کیا اور نہ اس کی سزا سے انکار کیا، صرف اس سزا کا نام حد کی بجائے تعزیر رکھ دیا تو آپ نے آسمان سر پر اٹھالیا، لیکن یہاں تو سب کچھ قرآن وحدیث کے نام پر ہو رہا ہے، اس کے بارے میں بھی کچھ وضاحت فرما دیجیے۔

## اعتراض:7

فقہ حنفی میں زبردستی طلاق دی جائے تو واقع ہو جاتی ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

وطلاق المکرہ واقع

ہدایہ اولین ص338

زبردستی کی طلاق ہو جاتی ہے۔

کیا فقہ حنفیہ قرآن وحدیث کا نچوڑ ہے؟ ص46، 47

## جواب:

زبردستی کی طلاق کے واقع ہو جانے کا دعوی احناف کا اپنا نہیں، اس بات پر احناف کے پاس دلائل موجود ہیں۔ اگر طالب الرحمن صاحب کے نزدیک یہ مسئلہ غلط ہے تو دیکھیں یہ فتوی کہاں تک پہنچتا ہے اور کون کون سے صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اس کی زد میں آتے ہیں۔

### طلاق مکرہ کے واقع ہو جانے پر دلائل

### دلیل نمبر1:

عَنْ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: طَلَاقُ الْمُكْرَهِ جَائِزٌ

مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر 18344

اس اثر میں ہے کہ زبردستی کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

## دلیل نمبر 2:

عن ابن عمر قال طلاق الکرہ جائز

مصنف عبد الرزاق، باب طلاق الکرہ، ج سادس، ص 317، نمبر 11465

اس اثر میں ہے کہ زبردستی کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہی بات حضرت شعبی، قاضی شریح، سعید بن مسیب، ابن سیرین اور حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں۔

## دلیل نمبر 3:

عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ثلاث جدهن جد وهزلهن جد، النکاح، والطلاق، والرجعة

ابو داود شریف، باب فی الطلاق علی الھزل، ص 317، نمبر 2194، ترمذی شریف، باب ما جاء فی الجد والہزل فی الطلاق، ص 288، نمبر 1184

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ہیں ان کو قصداً کرے یا ہنسی سے کرے وہ صحیح ہو جائیں گی۔ ایک نکاح، دوسری طلاق، تیسری رجعت (اپنی طلاق کے بعد رجوع کرنا) جب مذاق میں طلاق واقع ہو سکتی ہے تو زبردستی میں بدرجہ اولیٰ طلاق واقع ہو گی۔

## دلیل نمبر 4:

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ مخبوط الحواس کے علاوہ ہر ایک (بالغ) کی طلاق جائز ہے (یعنی واقع ہو جاتی ہے)

بخاری تعلیقاً، باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ، ج 2 ص 794

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نشہ والے اور مجبور کی طلاق نافذ ہو جاتی ہے یہی احناف کا مسلک ہے۔

## دلیل نمبر 5:

صفوان بن عمران الطائی سے روایت ہے کہ ایک آدمی سو رہا تھا کہ اس کی بیوی چھری لے کر آئی اور چھری اس کے سینے پر رکھ کر کہا کہ مجھے طلاق دے دے ورنہ میں تجھے ذبح کر دوں گی۔ پس اس نے مرعوب ہو کر طلاق دے دی پھر وہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس آیا اور قصہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام سے بیان کیا تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا "لا قیلولة فی الطلاق" یعنی طلاق واقع ہو گئی ہے۔

احیاء السنن ج 3 ص 349

## دلیل نمبر 6:

مصنف عبد الرزاق میں ابن عمر کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے مجبور کیے جانے والے کی طلاق کو نافذ کر دیا۔

## دلیل نمبر 7:

اس طرح شعبی، نخعی، زہری، قتادہ اور ابو قلابہ کے بارے میں بھی کتب احادیث میں مروی ہے کہ انہوں نے مکرہ (مجبور کیے گئے) کی طلاق کو نافذ کر دیا۔

## اعتراض نمبر8:

فقہ حنفی میں ہے کسی چیز پر گندگی لگی ہو تو چاٹنے سے پاک ہو جائے گی۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

إذَا أَصَابَتْ النَّجَاسَةُ بَعْضَ أَعْضَائِهِ وَلَحِسَهَا بِلِسَانِهِ حتى ذَهَبَ أَثَرُهَا يَطْهُرُ وَ كَذَا السِّكِّينُ إذَا تَنَجَّسَ فَلَحِسَهُ بِلِسَانِهِ أو مَسَحَهُ بِرِيقِهِ هَكَذَا في فَتَاوَى قَاضِي خَانْ وَلَوْ لَحِسَ الثَّوْبَ بِلِسَانِهِ حتى ذَهَبَ الْأَثَرُ فَقَدْ طَهُرَ كَذَا في الْمُحِيطِ

(فتاوی عالمگیری: ج1ص45، الْفَصْلُ الثَّانِي في الْأَعْيَانِ النَّجِسَةِ)

اگر جسم کے کسی عضو پر نجاست لگ جائے تو اگر زبان سے اسے چاٹ لے یہاں تک کہ اس کا اثر زائل ہو جائے اسی طرح اگر چھری پر نجاست لگ جائے تو زبان سے اسے چاٹ لے یا تھوک سے صاف کر دے یا کپڑے پر لگی نجاست کو زبان سے چاٹ لے یہاں تک کہ اس کا اثر ختم ہو جائے تو پاک ہو جائے گا۔

طہارت کے نئے طریقے سے جسم کے اعضاء پاک کرنے کے لیے زبان چاہے ناپاک ہو جائے کوئی پرواہ نہیں۔

## جواب:

طالب الرحمن نے اپنی ناقص الفہمی کی بنا پر فتاویٰ عالمگیری کی عالمی حیثیت نہیں سمجھی یہ فتاویٰ بفضلہ تعالیٰ عالمی فتاویٰ ہے۔ اس میں وہ تمام مسائل حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو عالم اسلام میں عموماً یا خصوصاً پیش آتے رہتے ہیں یا آسکتے ہیں تاکہ مملکت اسلامیہ کے قاضی صاحبان ان سے استفادہ کر کے ان سے نادر سے نادر واقعات و مقدمات کا حل دریافت کر سکیں۔ دنیائے عالم میں جہاں عاقل بالغ آباد ہیں وہاں پاگل اور بچے بھی رہتے ہیں ان کی وجہ سے بھی کئی مسئلے جنم لیتے رہتے ہیں۔ مندرجہ بالا مسئلہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

ہاتھ کی کسی انگلی پر اگر پیشاب یا شراب یا خون لگ جائے تو انگلی کو اس نجاست سے صاف کرنے کے لیے پانی ہی استعمال کیا جاتا ہے مگر بچوں اور پاگلوں سے یہ امید نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ اس نجاست کو پانی سے ہی صاف کریں گے بلکہ یہاں ممکن ہے کہ بجائے انگلی دھونے کے اسے چاٹ لیں، العیاذ باللہ اور چاٹنے کے بعد وہی انگلی کسی شخص کے پانی میں یا دودھ میں یا شربت میں یا اس قسم کی دوسری اشیاء میں ڈبو دیں اور وہ شخص اسلامی عدالت میں اس نوعیت کا مقدمہ دائر کر دے کہ میں پچاس روپے کا پانی خرید کر مٹکے میں ڈالا تھا، فلاں پاگل نے نجاست سے لبریز انگلی کو پہلے اچھی طرح چاٹا پھر اپنی انگلی میرے پانی میں ڈبو دی جس سے پانی پلید اور بے کار ہو گیا۔ لہٰذا مجھے پاگل کے مال سے پانی کی قیمت دلائی جائے تو جس قاضی نے فتاویٰ عالمگیری کا مندرجہ بالا مسئلہ پڑھا ہو گا وہ یہ کہہ کر مقدمہ خارج کر دے گا کہ جب مدعی خود تسلیم کرتا ہے کہ پاگل نے پہلے انگلی سے نجاست کو چاٹ کر زائل کر دیا تھا پھر پانی میں ڈبو دیا تھا تو پاگل کی انگلی کے سبب پانی پلید نہ ہوا کیوں کہ جب انگلی پر سے نجاست زائل کر دی گئی تو نہ انگلی پلید رہی نہ ہی پانی پلید ہوا۔

فتاویٰ عالمگیری کی عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ نجاست کو چاٹنا جائز ہے۔ یا یہ کہ فقہ حنفی میں انگلی پاک کرنے کا یہی طریقہ ہے یہ نجس فہمی صرف طالب الرحمن کی دماغی نجاست کا نتیجہ ہے بلکہ فتاویٰ عالمگیری میں تو یہاں تک نفاست پسندی فرمائی گئی ہے:

وَلَا تَجُوزُ الْجَلَّالَةُ وَهِيَ التي تَأْكُلُ الْعُذْرَةَ وَلَا تَأْكُلُ غَيْرَهَا فَإِنْ كانت الْجَلَّالَةُ إبِلًا تُمْسَكُ أَرْبَعِينَ يَوْمًا حتى يَطِيبَ لَحْمُهَا وَالْبَقَرُ يُمْسَكُ عِشْرِينَ يَوْمًا وَالْغَنَمُ عَشَرَةَ أَيَّامٍ وَالدَّجَاجَةُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَالْعُصْفُورُ يَوْمًا

(فتاویٰ عالمگیری ج5ص298)

جو حلال جانور نجاست کھاتا ہو اسے نہ کھائیں بلکہ کئی دن تک باندھ رکھیں کہ نجاست نہ کھانے پائے پھر جب اس کا گوشت نجاست کے اثر سے پاک ہو جائے تو ذبح کر کے کھائیں اونٹ چالیس دن تک باندھا جائے گا۔ گائے بیس دن تک، مرغی تین دن تک اور چڑیا بھی ایک دن۔